اجتہاد کا تاریخی پس منظر

اجتہاد کی حقیقت

(۳)

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

انفرادی و اجتماعی اجتہاد اجتہاد کو زیادہ محفوظ شکل دینے کے لئے صحابۂ کرام نے اجتماعی اجتہاد کا بھی نظم قائم کیا تھا جس کا نام بعد میں "اجماع" تجویز کیا اس کے لئے قانونی ماہرین کی ایک مجلس قائم تھی اور ارکان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت وغیرہ اکابر اصحاب شامل تھے [۱]

ان ابا بکرؓ الصدیق کان اذا نزل بہٖ امر یرید فیہ مشاورۃ اھل الرای واھل الفقہ دعا رجالا من المھاجرین والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا وعبد الرحمٰن	ابوبکرؓ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں اہل رائے واہل فقہ کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو وہ مہاجرین وانصار کے کچھ لوگوں کو بلاتے مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ

---

[۱] کنز العمال ج ۳ کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال ص ۱۳۴

بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب	بن عوف، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابیؓ
و زید بن ثابت [۱]	بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت۔

نو پیدا شدہ مسائل جن میں مشورہ و اجتہاد کی ضرورت ہوتی تھی ان کا "صوافی الامر" نام رکھا گیا تھا۔

کان اذا جاء الشیٔی من القضاء لیس فی الکتاب ولا فی السنۃ سمی صوافی الامر [۲]	کوئی ایسے فیصلہ کی بات جس کا ذکر کتاب و سنت میں نہ ہو اس کا "صوافی الامر" نام رکھا جاتا تھا۔

"صوافی" اس زمین کو کہتے ہیں جس کو بادشاہ صرف خاص کے لئے مخصوص کر لیتا تھا یہ مسائل چونکہ خلافت کی قائم کردہ مجلس سے متعلق ہوتے تھے عام لوگوں کو دخل دینے کا اختیار نہ تھا اس بناء پر گویا خلافت کے لئے مخصوص تھے۔

انفرادی و اجتماعی اجتہاد کی جو بھی شکل ہوتی رسول اللہؐ کے اجتہاد کی مذکورہ تین شکلوں سے خارج نہ ہوتی تھی جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے ظاہر ہے۔

اجتہاد توضیحی کی مثال

(۱) اجتہاد توضیحی کی مثال جس میں متعلقہ آیت و حدیث کے معنی و مفہوم متعین کر کے مسئلہ حل کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اجتماعی زندگی میں صحابۂ کرام کو غالباً سب سے اہم مسئلہ زمین کی تنظیم و تقسیم کا پیش آیا چنانچہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد زمین کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں اختلاف ہوا۔ صحابۂ کرام کے ایک گروہ کی رائے تھی کہ زمین فوجیوں میں تقسیم کردی جائے۔ اس میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف و حضرت بلالؓ وغیرہ شامل تھے۔ اور

---

[۱] طبقات ابن سعد، قسم ثانی جزء ثانی باب اہل العلم و الفتوی من اصحاب رسول اللہ صلعم۔

[۲] ابن قیم۔ اعلام الموقعین ج ۱۔ النوع الثالث من الرای المحمود ص۱۰۷۔

دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے۔ اس میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاذؓ بن جبل وغیرہ تھے۔

پہلے گروہ نے اس آیت سے استدلال کیا تھا:

واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل ان کنتم اٰمنتم باللّٰہ [1]

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں کے لئے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اندازِ استدلال یہ تھا کہ آیت میں مال غنیمت (جو فتح کرنے کے بعد دشمن سے حاصل ہو) کے خمس (پانچواں حصہ) کا حکم و مصرف بیان کیا گیا ہے اور بقیہ چار حصے فوجیوں کے لئے چھوڑ دئے گئے ہیں جس کی تائید رسول اللہؐ کے فعل سے ہوتی ہے کہ آپ نے خیبر کی زمین تقسیم کر دی تھی۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی زمین بھی آپ نے فوجیوں میں تقسیم کر دی تھی۔

دوسرے گروہ کا جواب یہ تھا کہ آیت میں صرف خمس کا حکم و مصرف بیان کیا گیا ہے اور بقیہ حصوں سے خاموشی اختیار کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت مفادِ عامہ کے پیش نظر چاہے تو فوجیوں میں تقسیم کر دے جیسا کہ رسول اللہؐ نے مذکورہ زمین تقسیم کر دی تھی اور چاہے تو اصل باشندوں کے پاس رہنے دے جیسا کہ رسول اللہؐ نے خیبر کا ایک حصہ ان کے پاس رہنے دیا تھا اور وادی القریٰ و مکہ کی پوری زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی تھی۔

اس پہلی میٹنگ میں دونوں گروہ ایک ہی آیت سے استدلال کرتے اور اپنے موقف

---

[1] الانفال - ع ۵ -

کی تائید میں رسول اللہؐ کا طرز عمل پیش کرتے تھے۔ اس بناء پر دونوں اپنے اپنے موقف پہ جمے رہے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، بالآخر مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے میٹنگ ملتوی کردی تاکہ لوگوں کو قرآنی آیات میں مزید غور و خوض کا موقع ملے۔ پھر حضرت عمرؓ نے صورت حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے جلد ہی دوسری میٹنگ طلب کی اس میں انصار کے دسؔ اور معزز آدمیوں کو بھی بلایا۔ حمد و ثنا کے بعد کارروائی اس طرح شروع کی :

"میں نے آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ جس بارِ امانت کو آپ لوگوں نے میرے سر پر رکھا ہے اس میں میرے شریک بنیں اس وقت میری حیثیت خلیفہ کی نہیں بلکہ آپ میں سے ایک فرد کی ہے۔ ہر شخص کو اپنی رائے پیش کرنے کا پورا اختیار ہے اس معاملہ میں پہلی میٹنگ ہو چکی ہے کچھ لوگوں نے میری مخالفت کی ہے اور کچھ نے موافقت کی ہے۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری مرضی کا اتباع کریں اور حق بات کو چھوڑ دیں۔ میں تو حق بات کی طرف آپ لوگوں کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں جس طرح میرے پاس اللہ کی کتاب ہے ویسے ہی آپ کے پاس ہے جو ناطق بالحق ہے اس کو سامنے رکھ کر مجھے جواب دیجئے جو کچھ اس میں موجود ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔"

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے مذکورہ آیت کی وضاحت اور اپنے موقف کی تائید کے لئے "آیات فے" سے استدلال کیا تھا اور انداز استدلال یہ تھا کہ دشمن سے حاصل کئے ہوئے مال میں صرف فوجیوں کا حق نہیں مذکور ہے بلکہ ان میں موجودہ و آئندہ سب لوگوں کو شریک کیا گیا اور مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ مال و دولت ایک ہی طبقہ میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ آیات فے میں موجودہ اور آئندہ جن لوگوں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں :

(۱) اللہ و رسول، اقربا، یتیم، مسکین اور مسافر۔

(۲) مفلس مہاجر جو دین کی خاطر ہجرت کر کے آئے ہیں۔

(۳) مدینہ کے باشندے جو پہلے سے ایمان لاکر یہاں مقیم ہیں۔

(۴) بعد کے تمام مسلمان۔

سورۂ حشر پ۲۸ کی آیات فے میں فوجیوں اور غیر فوجیوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ان میں موجودہ اور آئندہ سب لوگوں کا حصہ و حق بیان کیا گیا ہے جس کی روشنی میں مذکورہ آیتِ غنیمت کی تشریح و توضیح ہوئی اور لوگوں کو اس کا موقع و محل متعین کرنے میں سہولت ہوئی چنانچہ اس استدلال سے موافق و مخالف سب نے اتفاق کیا اور یہ طے پایا کہ خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی جائے فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ ہو۔

فقالوا جمیعا الرای رأیک فنعم ما قلت وما رأیت۔[1]	لوگوں نے کہا کہ آپ ہی (حضرت عمرؓ) کی رائے اس معاملہ میں درست ہے جو آپ کہہ رہے اور دیکھ رہے ہیں وہی درست ہے۔

یہاں صرف اسی حصہ سے بحث کی گئی ہے جس کا تعلق اجتہادِ توضیحی سے ہے۔ میٹنگ کی پوری کارروائی کے لئے راقم کی کتاب "اسلام کا زرعی نظام" اور "احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت" ملاحظہ ہو۔

اجتہاد استنباطی کی مثال

(۲) اجتہاد استنباطی کی مثال۔ جس میں غور و فکر کر کے "علت" نکالی گئی اور اس کو بنیاد بنا کر مسئلہ حل کیا گیا۔

رسول اللہؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کا نظم و نسق برقرار رکھنے میں غالباً سب سے

---

[1] حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابوعبید۔ کتاب الاموال ص ۵۸، ۵۹۔ ابویوسف، کتاب الخراج باب ما عمل بہ فی السواد یحییٰ بن آدم قرشی۔ کتاب الخراج جزء ثانی ص ۴۲۔ جصاص، احکام القرآن ج ۳ سورہ حشر ص ۴۳۳۔

اہم مسئلہ مانعین زکوٰۃ کا پیش آیا۔ مدینہ کے قرب وجوار میں بسنے والے مختلف قبیلوں (عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ) نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا بعض نے حرص وبخل کی بنار پر انکار کیا تھا جیسا کہ ان کا یہ قول منقول ہے:

واللہ ما کفرنا بعد ایماننا ولکن شححنا علی اموالنا[1] — اللہ کی قسم ہم ایمان کے بعد کافر نہیں ہوئے لیکن ہم نے اپنے مالوں پر حرص وبخل کیا ہے۔

اور بعض نے مرکز کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا جیسا کہ انھوں نے کہا تھا:

نقیم الصلوٰۃ وشرائع الاسلام الا انا لا نودی الزکوٰۃ الی ابی بکر[2] — ہم نماز اور دیگر شرائع اسلام ادا کریں گے لیکن زکوٰۃ ابوبکرؓ کو نہ دیں گے۔

خلافت کے لئے یہ دونوں صورتیں ناقابل برداشت تھیں۔ پہلی صورت میں اجتماعی طور پر اہم ترین فریضہ سے دست برداری کا اعلان تھا اور دوسری صورت میں لامرکزیت بغاوت کو قوت پہنچانے والی تھی۔ اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا لیکن چونکہ یہ لوگ مسلمان تھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی اجازت نہ تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

کیف تقاتل الناس وقد امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فمن قال لا الٰہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ[3] — آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کریں گے جبکہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لا الٰہ الا اللہ کہنے تک قتال کریں جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کہہ لیا اس نے اپنی جان ومال کی حفاظت کر لی اس

---

[1] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، الباب الخامس فی ولایۃ علی حروب المصالح ص ۴۷۔

[2] ابن حزم، الملل والنحل ج ۱ ص ۹۶۔

[3] بخاری ومسلم ومشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ

کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ہاں اگر اس کلمہ کا
کوئی حق ہو تو اور بات ہے۔

ارادۂ جہاد میں حضرت ابوبکرؓ کا استدلال قرآن حکیم کی اس آیت اور رسول اللہؐ کے طرزِ عمل سے تھا۔

فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم[1]	اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

آیت میں باعتبار فرضیت نماز و زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں ہی کے پائے جانے کی صورت میں فخلوا سبیلھم (ان سے تعرض نہ کرو) کا حکم ہے اگر دونوں میں ایک، (کوئی بھی) نہ پائی جائے تو پھر یہ حکم نہ باقی رہے گا۔

رسول اللہؐ کے پاس قبیلہ بنو ثقیف کا ایک وفد طائف سے حاضر ہوا۔ اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے اپنی کچھ شرطیں پیش کی تھیں تو آپ نے فرمایا:

انہ لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع[2]	ایسے دین میں خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو۔

مذکورہ آیت حدیث (طرزِ عمل) کی بنار پر ابوبکرؓ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کر کے فرمایا تھا:

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال[3]	اللہ کی قسم اس شخص سے ضرور جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔

ابوبکرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا:

---

[1] توبہ ع ۱ [2] ابوداؤد کتاب الخراج والفئی والامارۃ
[3] مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب فی فرضیتہا۔

ارأیت لوسألوا ترك الصلوة ارأیت لوسألوا ترك الصیام ارأیت لوسألوا ترك الحج فاذا لا یبقی عروة من عری الاسلام الا انحلت[۱]۔

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر لوگ ترکِ نماز ترکِ روزہ اور ترکِ حج کا مطالبہ کرنے لگیں (جیسا کہ انھوں نے ترکِ زکوٰۃ کا مطالبہ کیا ہے) تو اس وقت تو اسلام کا کوئی حلقہ بھی اپنی جگہ نہ باقی رہے گا۔

ترکِ صلوٰۃ کے مطالبہ پر وجوب قتال کی علت "اسلام کے ایک اہم رکن سے اجتماعی دست برداری کا مطالبہ" ہے، یہ علت جس طرح ترکِ صلوٰۃ میں پائی جاتی ہے ترکِ زکوٰۃ، روزہ اور حج میں بھی پائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ترکِ صلوٰۃ پر جو حکم ہوگا ترکِ زکوٰۃ وغیرہ پر بھی وہی حکم ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

هذا بحقها[۲]

یہ جہاد اسی "لاالٰہ الا اللہ" کے حق کی وجہ سے ہے۔

یعنی تمہارے استدلال میں الا بحقها ــــــ کا لفظ موجود ہے جس سے میرے موقف کی تائید ہوتی ہے، یہ وہی حق ہے جس کی پائمالی کی وجہ سے ان لوگوں سے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں یہ دقیقہ رسی حضرت عمرؓ کے سمجھ میں نہ آسکی لیکن گفتگو اور وضاحت کے بعد ان کے سمجھ میں آگئی چنانچہ انھوں نے فرمایا:

فواللہ ما هو الا ان رأیت ان اللہ شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت

خدا کی قسم اب میں سمجھ گیا کہ اللہ نے ابوبکر کا سینہ قتال کے لئے کھول دیا میں نے پہچان

[۱، ۲] الماوردی، الاحکام السلطانیہ الباب الخامس۔

انہ الحق [1] لیا کہ وہی حق ہے۔

اجتہاد اصطلاحی کی مثال (۳) اجتہاد اصطلاحی کی مثال۔ جس میں روحِ شریعت اور بندوں کی مصلحت کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا گیا۔

مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تھی جس پر اہل مدینہ کی ملکیت تھی۔ حضرت عمرؓ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر اس کو بلا معاوضہ سرکاری تحویل میں لے لیا جبکہ اسلام قبول کرنے کے بعد عام قانون کے مطابق دست اندازی کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

اس واقعہ کے بعد ایک بدوی نے آکر عرض کیا:

یا امیر المومنین بلادنا قاتلنا علیھا فی الجاھلیۃ واسلمنا علیھا فی الاسلام تحمی علینا [2]

اے امیر المومنین ہم نے اس کے لئے جاہلیت میں جنگیں لڑی ہیں اور اسی پر اسلام لائے ہیں آپ ہمارے اوپر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔

دارقطنی کی روایت میں ہے کہ جب وہ بدوی زیادہ اصرار کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے روح شریعت اور بندوں کی مصلحت کی طرف اس طرح توجہ دلائی۔

المال مال اللہ والعباد عباد اللہ ما انا بفاعل [3]

مال اللہ کا مال ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں میں ایسا نہ کروں گا۔

ابن حجر عسقلانی نے اس کو بنجر زمین قرار دیا ہے جس پر کسی کی ملکیت نہ تھی [4] لیکن حقیقۃً وہ ایسی چراگاہ تھی جس سے اہل مدینہ اور قرب وجوار کے لوگ فائدہ اٹھاتے تھے اور اس

---

[1] بخاری ومسلم ومشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ الفصل الثالث۔

[2] بخاری ج ۱ باب اذا اسلم قوم فی دار الحرب الخ ص ۴۳۳۔

[3] فتح الباری ج ۲ باب اذا اسلم فی دار الحرب الخ ص ۱۲۳

[4] حوالہ بالا۔

پر اہل مدینہ کی ملکیت مسلّم تھی جیسا کہ بدوی کے مذکورہ مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے اس چراگاہ کی نگرانی کے لئے "ہنی" (ایک شخص کا نام) کو عامل مقرر کیا تھا اور اس کو جو ہدایات تھیں ان سے بھی ملکیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔[۱]

اجتہاد کی مذکورہ تینوں شکلیں ایسی ہیں جن میں عقل و رائے کو دخیل بنانا اور پھر ان کی وجہ سے اختلاف ہونا ناگزیر ہے چنانچہ صحابۂ کرام کے اجتہادات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

(۱) اجتہاد توضیحی میں اختلاف کی مثال۔

اجتہاد توضیحی میں اختلاف کی مثال

حاملہ عورت کے شوہر کا اگر انتقال ہو جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہے اور حضرت علیؓ کے نزدیک وضع حمل اور عدت وفات (چار ماہ دس دن) میں جو زمانہ زیادہ طویل ہو وہی عدت قرار پائے گا۔ قرآن حکیم میں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے جس میں وہ عورت بھی شامل ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے۔

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن[۲]	اور حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل وضع کریں۔

اور وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ ہو۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا[۳]	تم میں سے جن کا انتقال ہو جائے اور اپنی عورتیں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ باب اذا اسلم قوم الحرص ۴۳۰ وحاشیہ فقہ عمر کتاب الجہاد ص ۵۰ او مسوّی شرح موطا باب الحمی [۲] الطلاق ع ۱ [۳] البقرہ ع ۳۰

دونوں آیتوں کا مفہوم متعین کرنے میں اختلاف ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پہلی آیت کو عام رکھتے ہوئے حاملہ کی عدت وضع حمل مقرر کی اور دوسری آیت کو بیوہ غیر حاملہ میں محدود رکھا جبکہ حضرت علیؓ نے دونوں آیتوں کو عام رکھتے ہوئے بیوہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل مقرر کی بشرطیکہ وہ چار ماہ دس دن سے کم نہ ہو۔ اور اگر وضع حمل کم مدت میں ہوجائے تو پھر اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

(۲) اجتہاد استنباطی میں اختلاف کی مثال۔

اجتہاد استنباطی میں اختلاف کی مثال

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو وراثت نہیں دلاتے تھے۔ ان حضرات نے دادا کو باپ پر قیاس کیا اور باپ کی موجودگی میں چونکہ بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی اس لئے دادا کی موجودگی میں بھی ان کو وراثت نہ ملے گی لیکن حضرت زید بن ثابت، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو وراثت ملے گی کیونکہ دادا بہت سی باتوں میں باپ جیسا نہیں ہے تو بھائیوں کو محروم کرنے میں بھی باپ جیسا نہ ہوگا۔[۱]

(۳) اجتہاد استصلاحی میں اختلاف کی مثال۔

اجتہاد استصلاحی میں اختلاف کی مثال

ایک مطلقہ عورت جس نے اپنی عدت ہی میں نکاح کرلیا تھا حضرت عمرؓ نے اس کے موجودہ شوہر کو چند کوڑوں کی سزا دے کر دونوں میں علیحدگی کرادی اور فرمایا کہ جو عورت عدت گزرنے سے پہلے نکاح کرلے اور اسی حالت میں اس سے مقاربت کرلی جائے تو اس شوہر پر وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک پہلے شوہر کی عدت گزرنے کے بعد یہ شخص اس سے نکاح

---

[۱] شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید، سراجی، باب مقاسمۃ الجد

کرسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ مصلحت عامہ کی بنا پر تھا جبکہ حضرت علیؓ کا فیصلہ اصول عامہ کی بنا پر تھا۔ حالات کے لحاظ سے روح شریعت میں دونوں کی گنجائش ہے۔[1]

اجتہاد میں اختلاف کا فائدہ

صحابہ کے اجتہادات میں اختلاف کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قانون کی دنیا میں وسعت ہوئی اور لوگوں کو عمل درآمد میں سہولت ہوئی جیسا کہ "اختلاف امتی رحمۃ" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) کی تفسیر یہ منقول ہے۔

توسعۃ علیھم وعلی اتباعھم فی وقائع الاحوال المتعلقۃ بفروع الشریعۃ۔[2]

تاکہ احوال کے واقعات میں جو شریعت کے فروع سے متعلق ہیں لوگوں کے لئے وسعت ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے:

ما احب ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یختلفون لانہ لو کان قولا واحداً لکان الناس فی ضیق وانھم ائمۃ یقتدی بھم فلو اخذ رجل بقول احدھم لکان سنۃ۔[3]

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ رسول اللہ کے اصحاب اختلاف نہ کرتے کیونکہ اگر ایک قول ہوتا تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے۔ رسول اللہ کے اصحاب مقتدی ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اگر کوئی ان میں سے کسی کے بھی قول کو لے لیگا تو وہ سنت پر عامل ہوگا۔

---

[1] تعلیل الاحکام النوع الرابع

[2] شعرانی، کتاب المیزان ج ۱ فصل فان قلت الخ

[3] شاطبی۔ الاعتصام ج ۳ ص ۱۱

اس دور میں اجتہاد محدود تھا

اس اختلاف کے باوجود صحابہ کے زمانہ میں اجتہاد کا دائرہ بس ایک حد تک محدود رہا جس قدر ضرورت پیش آتی رہی اسی میں یہ حضرات اجتہاد کرتے رہے۔ نظری مسائل اور بعد میں پیش آنے والے واقعات کی طرف ان کو توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی۔ گوناگوں مصلحتوں کے لحاظ سے اسلامی ضرورتیں اس قدر وسیع ہوگئی تھیں کہ ان پر قابو پالینا ہی اہم کارنامہ تھا۔ مشہور ترین صحابہ جو اجتہاد میں زیادہ ماہر تھے یہ ہیں:

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت رضی اللہ عنہم

اجتہاد سے کام لینے میں تفاوت

ان حضرات میں بعض وہ تھے جو اجتہاد سے زیادہ کام لیتے تھے مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ۔ بعض وہ تھے جن کے اجتہاد کا دائرہ زیادہ وسیع نہ تھا مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت وغیرہ۔

اجتہاد میں اس کمی بیشی کی عموماً دو وجہیں تھیں:

(۱) ذوقِ اجتہاد میں تفاوت۔ کسی کو یہ ذوق زیادہ عطا ہوا تھا اور کسی کو کم۔

(۲) اجتہاد کے مواقع میں تفاوت۔ کسی کو اجتہادی مسائل سے زیادہ سابقہ پڑا تھا اور کسی کو کم۔

— حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ کو چونکہ اجتہادی ذوق کے ساتھ اجتہادی مسائل زیادہ پیش آئے تھے اس بنا پر ان لوگوں کی اجتہاد میں جس قدر شہرت ہوئی دوسرے لوگوں کی اس قدر شہرت نہ ہوسکی۔

کوئی اجتہاد مذکورہ تین شکلوں سے خارج نہ تھا

صحابۂ کرام نے پیش آمدہ مسائل میں جو اجتہادات کیے ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ بحیثیت مجموعی ان میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کا کوئی اجتہاد بھی مذکورہ تین شکلوں کے وسیع دائرہ سے خارج نہ تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی نے ایک اور کسی نے دوسری شکل سے زیادہ کام لیا۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے ملکی انتظامات میں اجتہاد استصلاح اور قانونی معاملات میں اجتہاد استنباط سے زیادہ کام لیا۔ حضرت علیؓ کے یہاں اجتہاد استنباط اور اجتہاد استصلاح دونوں کا زیادہ استعمال پایا جاتا ہے۔ اجتہاد توضیحی کی مثالیں بھی حضرت عمرؓ کے یہاں زیادہ ملتی ہیں۔ "اولیات" عمرؓ کے نام سے جس قدر ان کے اجتہادات پائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کا تعلق اجتہاد توضیحی سے ہے۔

اجتہاد میں رائے سے کام لینے کے تین اصول

اجتہاد کی کوئی بھی شکل ہو اس میں رائے سے کام لینا ناگزیر ہے۔ صحابۂ کرام نے بھی رائے سے کام لیا لیکن ان کے اجتہادات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے کا استعمال آزادانہ نہ تھا بلکہ کسی اصول پر مبنی تھا مثلاً

(۱) وہ قرآن و حدیث سے استدلال کی گئی ہو جیسا کہ زمین کی تنظیم و تقسیم میں قرآن کی "آیات فے" سے حضرت عمرؓ نے استدلال کیا تھا۔

(۲) وہ اشباہ و نظائر پر قیاس کی گئی ہو جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے مسئلہ کو نماز پر قیاس کیا تھا۔

(۳) وہ شریعت کے کسی عام قاعدہ کے تحت ہو مثلاً لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) اور لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام وغیرہ (اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ کسی کو نقصان پہونچانا ہے)

یہ تینوں اصول نہایت وسیع ہیں ان میں غور و فکر اور ان کی شیرازہ بندی سے قیاس و اجتہاد کی نہایت مہتم بالشان عمارت تیار ہوتی ہے جس سے نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی ہر دور میں رہنمائی کی جا سکتی ہے

صحابیت توسیع عمارت پر مامور تھی

در اصل "نبوت" اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کر دے جو اس کے بعد توسیع عمارت کے فرائض انجام دے۔ جس طرح نبوت شعورِ نبوت کے ذریعہ نقشۂ ہدایت کے مطابق تعمیر عمارت پر مامور ہوتی ہے اسی طرح صحابیت شعورِ اجتہاد کے ذریعہ نمونۂ عمارت کے مطابق توسیع عمارت پر مامور ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ "نبی" بیک وقت جملہ انسانی ضروریات اور پیش آنے والے واقعات کی تعلیم تفصیلی طور پر نہیں دے سکتا البتہ اس کے فرمودات و تفہیمات میں بہت سے اصول و کلیات اور تصریحات و اشارات اس انداز کے ہوتے ہیں جن میں پیش آنے والے واقعات و حوادث کی رہنمائی پائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ جماعت بحیثیت مجموعی اپنی زندگی میں نبیؐ کا عکس اور اس کے "کاز" کو آگے بڑھانے والی ہوتی ہے۔ اس بنا پر لازمی طور سے نبی کے بعد واقعات و حوادث کی رہنمائی اس کے سپرد ہوتی اور قبولیت کے معیار پر ٹھیک اترتی ہے۔ یہ جماعت توسیع عمارت کے لئے انھیں خد و خال کو نمایاں کرتی اور انھیں اصول و کلیات سے استدلال کرتی ہے جو نقشہ اور عمارت میں موجود ہیں لیکن ان کے ظہور اور عملی شکل قبول کرنے کا وقت نبوت کے بعد ہے۔ ایسی صورت میں صحابیت کے لئے نہ آزادانہ رائے کی گنجائش نکلتی ہے اور نہ قرآن و حدیث پر اپنی رائے کو ترجیح دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے، اسی بنا پر صحابۂ کرام کے بے شمار اقوال میں آزادئ رائے پر سخت نکیر پائی جاتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

(باقی)